© rasailojaraid.com

تاریخ اسلام

خلافت راشدہ و بنی امیہ

(آخری قسط)

از جناب عبدالرؤف خاں صاحب ایم-اے، اودئی کلاں

پروفیسر خورشید احمد فارق صاحب نے اپنی معنون بالا تصنیف میں کئی مقامات پر "جہاد" کی خالص مادی و اقتصادی تفسیر و تعبیر کرتے ہوئے اس کے اعلیٰ و ارفع روحانی مقصد کو سرتاسر معکوس اور منقلب کر دیا ہے۔ مثلاً ص ۱۳۵ پر عنوان "مسلمانوں کی اقتصادی حالت" کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

"ابوبکر صدیق رضؓ نے ردّہ بغاوتیں فرو کر کے جب عراقی و شامی سرحدوں پر فوج کشی کی اور کئی نئے محاذ کھل گئے تو سپاہیوں کا توڑ پڑ گیا، ان کی ترغیب پر مجاہدین کے درجنوں مفلوک الحال عرب قبیلے جنگ میں شرکت کے لیے آگئے تھے اور وسائل سے بھرپور دونوں پڑوسی ملکوں کی سرحدی جنگیں جیت کر فقر و ناداری سے نجات پا چکے تھے...... عمر فاروق کے عہد میں عراق، شام، فارس، میسوپوٹامیہ اور مصر میں بہت سے نئے محاذ کھلے اور بڑی بڑی جنگوں کی تیاریاں ہوئیں تو پھر سپاہیوں کا توڑ پڑ گیا...... (عمر فاروق کی پکار پر) ...... بہت سے عرب جو ناداری کا شکار تھے اور بہت سے قبائلی رئیس جن کے دل میں کارہائے نمایاں کر کے دولت، عزت اور مرتبے حاصل کرنے کی لگن تھی، عمر فاروق رضؓ کی پکار پر اپنی ریگستانی بستیوں سے نکل آئے اور خلافت کی فوجوں میں ضم ہو گئے۔" اس سے بیشتر ص ۷۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیرا نمبر ۲ پر بھی بہ تغیر خفیف یہی بات سپردِ قلم فرما چکے ہیں۔

فاضل پروفیسر صاحب نے جہاد اور بدوی قبائل کے اسلامی اسلامی افواج میں انضمام کا وہی مقصد قرار دیا ہے جو مشہور مستشرق سر ہملٹن الیگزینڈر گب متوفی ۱۹۷۱ء نے اپنے ایک مقالہ "اسلامی تاریخ کی تعبیر"

(An Interpretation of Islamic History)

میں واضح کیا ہے کہ "چونکہ ناگزیر معاشی محرکات نے عرب کے حالات میں استحکام کی کسی صورت کو تقریباً ناممکن بنا دیا تھا، اس لیے بادیہ نشین قبائل کی مخالفت کو فوجی طاقت کے ذریعہ دبا دینا مسئلہ کا مناسب اور مستقل حل نہیں ہو سکتا تھا اس کے لیے ضروری تھا کہ ایسے حالات پیدا کیے جائیں جن میں عرب کے قبائل اگر اسلام میں پورے طور پر داخل نہ ہوں تو کم از کم اسلام سے اپنے دنیوی مفاد وابستہ سمجھیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت مکی سرداروں کی قیادت میں قبائل کو شام کی سرحدوں پر حملے کے لیے بھیجا، مقصود گویا یہ دیکھنا تھا کہ اگر قبائل کی توجہ دوسرے ملکوں کی طرف پھیر دی جائے تو اُن پر اس کا کیا ردِعمل ہوگا۔ اس میں کامیابی ہوئی تو پھر جنگوں اور فتوحات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔[1]"

بدوی قبائل کے خلافت کی فوجوں میں ضم ہونے اور اُن کے اسلام قبول کرنے نیز مقصد جہاد کی تعبیر و توضیح میں مذکورہ دونوں بیانات پڑھنے کے بعد قارئین برہان پر یہ بات مخفی نہیں رہنی چاہیئے کہ مستشرقین کے صفِ اول کے اسکالر سر ہملٹن گب

---

[1] مقالہ بعنوان: سر ہملٹن الیگزینڈر روسکین گب، از پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی صاحب مشمولہ ماہنامہ معارف، اعظم گڈھ، بابت ماہ اکتوبر ۱۹۷۱ء صفحہ ۲۷۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور پروفیسر فارق صاحب کے طرزِ نگارش میں کتنی ہم آہنگی اور یکسانیت ہے۔ گویا: ؎ میری زباں میں رنگ تمہاری زباں کے ہیں

جہاد کے مبلینہ مقصد پر خاکسار راقم الحروف اپنی طرف سے کچھ عرض کرنے کے بجائے محترم پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی صاحب کے الفاظ مستعار میں عرض کرنا چاہے گا کہ "تعبیر کا یہ وہ انداز ہے جسے ہم سرتاسر معاشی و مادی اندازِ فکر کہتے ہیں، اس میں آپ کو دین اسلام کی انقلابی و اصلاحی تعلیمات کی تاریخ ساز کارفرمائی کہیں نظر نہیں آئے گی یعنی یہ کہ بدوی قبائل نے اسلام کو اس کے اپنے انسانی وروحانی اصولوں کی بنا پر نہیں اپنایا بلکہ جب انھوں نے دیکھا کہ اس سے ان کا دنیوی ومعاشی مفاد وابستہ ہے تو اسلام سے انھیں تعلق پیدا ہوا .... ہمارے نزدیک یہ رویہ فنِ تاریخ نگاری کے جدید اصولوں کے مطابق بھی نہیں ہے اس لیے کہ اس رویہ سے اُسی تاریخی معروضیت کا وقار مجروح ہوتا ہے جس پر جدید محققین ناز کرتے ہیں[۵] مورخ کا کام صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ اپنے پیشرو مورخین کے بیانات کو "باندازِ دگر" پیش کردے بلکہ اُسے تمام تر حالات کے تجزیے سے اسباب وعلل اور ان کے اثرات ومضمرات کی ایک ایسی تصویر پیش کرنی چاہیے جو واقعات کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہو۔ بہرحال جہاد کے اقتصادی مقصد کی مزید توضیح فرماتے ہوئے ص ۶۔ ۲۴۵ پر رقمطراز ہیں: "اسلامی معاشرے کو جس ضابطے سے اقتصادی توانائی اور سیاسی عروج حاصل ہوا وہ دربارِ خداوندی میں مورتیوں کے تقرب کے قائل یا رسول اللہؐ کی نبوت سے انکار کرنے والوں کے ساتھ جنگ و قتال کا ضابطہ تھا۔ اسے رسول اللہؐ کی زندگی میں بے حد اہمیت حاصل تھی وہ جب تک جیے

[۵] ایضاً ص ۲۷۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس ضابطے پر بڑی تندہی سے عمل کرتے اور کراتے رہے اور اس کی توثیق و تاکید برابر وحی کے ذریعہ ہوتی رہی۔ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ کُرْهٌ لَّکُمْ۔ (بقرہ ۲۱۶) تم پر جنگ و قتال فرض کیا گیا ہے حالانکہ وہ تمہیں ناپسند ہے۔ وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰی لَا تَکُونَ فِتْنَةٌ وَّیَکُونَ الدِّینُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ (انفال ۳۹) مورتیوں کی تعظیم کرنے والوں سے لڑو یہاں تک کہ اسلام کے سوا کوئی مذہب باقی نہ رہے۔) فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِینَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوهُمْ (توبہ ۵) جہاں کہیں بھی مورتیوں کی تعظیم کرنے والے تمہیں ملیں انھیں قتل کر دو۔ وَقَاتِلُوا الَّذِینَ یَلُونَکُمْ مِّنَ الْکُفَّارِ۔ (توبہ ۱۲۳) اپنے پڑوسی غیر مسلموں سے لڑو۔ وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ (انفال ۶۰) مخالفین سے لڑنے کے لیے جس قدر ممکن ہو فوج اور جنگی گھوڑے تیار رکھو۔ یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِینَ عَلَی الْقِتَالِ (انفال ۶۵)[5] اے نبی مسلمانوں کو غیر مسلموں سے لڑنے پر اکساؤ۔ مدینے کے دس سالہ قیام میں رسول اللہ کے فوجی اقدامات کا تناسب فی سال سات سے زیادہ رہا۔ انھوں نے بذات خود عربوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف تقریباً سوا دو درجن فوجی مہموں کی خود قیادت کی اور علی اقل التقدیر چار درجن مہمیں اپنے سالاروں کی کمان میں بھیجیں، وسائل خورد و نوش کی عام کمی اور قدرت کی طرف سے ملک میں اس غیر مساویانہ تقسیم کے باعث عربوں میں لوٹ مار اور جنگ و قتال کا رجحان پہلے ہی بڑھا ہوا تھا۔ اس ضابطے پر عمل اور اس کی پیہم تاکید اور غنیمت سے حاصل ہونے والے عظیم مالی فوائد کے لیے جنگ و قتال اور جارحانہ ترکتاز اسلامی معاشرے کے مزاج اور خمیر کا جزو لاینفک بن گیا تھا۔" ص ۶۹-۷۰ پر بھی بیشتر ازیں بہ ترمیم

۵۔ آیات شریفہ پر نمبر راقم الحروف نے تحریر کیے ہیں۔ اے۔ ر۔ ق۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خفیف محولہ بالا عبارت ارقام فرمائی جاچکی ہے۔ البتہ یہاں سورۂ براءت کی آیت ۳۹ " قَاتِلُوا الَّذِينَ ...... وَهُمْ صَاغِرُونَ " کا اضافہ فرماتے ہوئے جنگ و قتال کا اصطلاحی نام " جہاد " بتلایا ہے نیز ص ۱۱۲-۱۳ پر بھی جہاد کے اسی مفہوم کا اعادہ بزیر عنوان " جہاد " کیا گیا ہے مگر یہاں یہ اضافہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ " جہاد ہر مسلمان کے لیے مذہبی فریضہ ہی نہیں تھا جس سے خدا اور رسول کی خوشنودی حاصل ہوتی تھی بلکہ اقتصادی خوشحالی اور دنیوی سربلندی کا زینہ بھی تھا۔ اسلامی معاشرے کی اقتصادی عمارت کی تشکیل عہد نبوی ہی سے منہزم غیر مسلموں کی دولت اور ان کے بال بچوں کی خدمت سے ہوئی تھی جو غلام بن کر غازیوں کے ہاتھ آئے تھے۔ اس دوہری فضیلت کے باعث جہاد اسلامی نفسیات کا جزء لاینفک اور رسول اللہ ؐ کے جانشینوں کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا "

مذکورہ بالا عبارات زیر بحث میں فاضل پروفیسر صاحب نے آیات جہاد کو ان کے سیاق و سباق سے کاٹ کر مقصد جہاد کی توضیح اس انداز و اسلوب میں پیش فرمائی ہے کہ قاری کے ذہن پر بقول اکبر الٰہ آبادی بالراست یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ " بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے " ساتھ ہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ مستشرقین کے تتبع اور تاسّی میں سپرد قلم کیا گیا ہے۔ یورپین فضلاء کا کہنا ہی یہ ہے کہ غزوات وسرایا شوق شہادت اور اللہ کے دین کی سربلندی جیسے پاکیزہ جذبات واعلیٰ مقاصد کا نتیجہ نہ تھے بلکہ غریب، نادار، مفلوک الحال اور ننگے بھوکے مہاجرین و انصار کی تنگدستی دور کرنے کا ذریعہ اور ان کی پرانی خوئے انتجاج کے تحت لوٹ مار کر کے عظیم مالی فوائد حاصل کرنے کا وسیلہ تھے۔ علاوہ ازیں اقتباسات بالا میں بعض آیات کا ترجمہ بھی محل نظر ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثلاً سورۂ انفال کی آیت ۳۹ کا یہ ترجمہ " مورتیوں کی تعظیم کرنے والوں سے لڑو یہاں تک کہ اسلام کے سوا کوئی مذہب باقی نہ رہے" اس کے بالمقابل حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔ " اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ اُن میں فسادِ عقیدہ نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے" ہماری رسائی کی حد تک دیگر مشاہیر مترجمین نے بھی تقریباً بہ تغیر خفیف حضرت تھانوی رح کے ترجمہ کے ہم معنی ہی ترجمہ کیا ہے۔ مزید برآں سورۂ برأۃ کی آیت نمبر ۱۲۳ کے صرف درمیانی فقرہ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِنَ الْکُفَّارِ (اپنے پڑوسی غیر مسلموں سے لڑو) پر اکتفاء کر لیا گیا ہے جو علمی وقار و متانت کے منافی ہے۔ موصوف کے بیان کردہ ترجمہ سے متبادر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے ہمسایہ غیر مسلموں سے لڑنے کا جبری حکم دیا جا رہا ہے۔ جو پڑوسیوں سے متعلق قرآنی تعلیمات اور ہدایاتِ نبوی صلعم سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اس کے برعکس پوری آیتِ شریفہ کا ترجمہ یہ ہے، "اے لوگو جو ایمان لائے ہو جنگ کرو اُن منکرینِ حق سے جو تم سے قریب ہیں اور چاہیے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے" (ترجمہ مولانا مودودی علیہ الرحمۃ) اس کی تفسیر میں مولانائے مرحوم فرماتے ہیں کہ "یہاں قریب اور پاس پڑوس سے مراد غیر مسلموں کا وہ علاقہ ہے جو دارالاسلام سے نزدیک ہے یعنی پہلے اِن سے لڑا جائے اور پھر اُن سے جو دُور ہیں" اور منکرینِ حق اور کفار سے مراد وہ منافق لوگ ہیں جن کا انکارِ حق پوری طرح نمایاں ہو چکا تھا اور جن کے اسلامی سوسائٹی میں خلط ملط رہنے سے سخت نقصانات پہنچ رہے تھے۔[لہ]

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ بقرہ کی اُس آیت کو پیش کر دیا جائے جس میں سب سے

لہ تلخیص تفہیم القرآن ص ۵۲۹ ج نمبر ۴۴ ستمبر ۱۹۷۹ء ایڈیشن نیز تفہیم القرآن ۲: ۲۵۲ حواشی ۱۲۱ تا ۱۲۳ بھی دیکھے جائیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے جہاد کی اجازت دی گئی ہے تاکہ واضح ہوسکے کہ اللہ تعالیٰ غنیمت حاصل کرنے کے لیے "جارحانہ ترکتاز" کی اجازت فرما رہے ہیں یا صرف مدافعت کی۔
وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ (بقرہ ۱۹۰) یعنی "اور تم لڑو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں کے ساتھ جو تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور حد سے مت نکلو، واقعی اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے"۔ یعنی یہ جو فرمایا کہ جو تم سے لڑیں ان سے لڑو اور زیادتی نہ کرو اس کے معنی یہ کہ لڑائی میں لڑکے اور عورتیں اور بوڑھے قصداً نہ ماریئے لڑنے والوں کو ماریئے۔" (موضح القرآن) قرآن مجید میں یہ اول آیت ہے کہ جس میں جہاد و قتال کا حکم دیا گیا۔[۵] (حقانی) اس سلسلہ میں ایک قول یہ بھی ہے کہ ہجرت کے بعد جہاد کی پہلی آیت جو نازل ہوئی، وہ یہ ہے: اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا" (اُن لوگوں کو اجازت دیدی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ اُن پر ظلم کیا گیا) یہ اور دیگر آیاتِ جہاد اس بات کی بخوبی نشاندہی کر رہی ہیں کہ جہاد کوئی جارحانہ فعل یا مسلمانوں کی طرف سے زیادتی کے طور پر نہیں تھا بلکہ وہ مدافعانہ اور تمام تر دفاعی تھا جیسا کہ تاریخی طور پر ثابت ہوتا ہے۔[۶]
دراصل پروفیسر فاروق صاحب نے مقاصدِ جہاد کے استنباط و استنتاج میں بجائے

---

۵ ملاحظہ ہو تفہیم القرآن ۱: ۱۵۰ ج ۱۰۲ مئی ۱۹۸۳ء ایڈیشن نیز ماہنامہ برہان دہلی اپریل ۱۹۸۲ء ص ۲۰۹، حاشیہ ۳ مقالہ خلافتِ ارض اور مسلم حکومتوں کے فرائض از جناب مولوی شہاب الدین صاحب ندوی ناظم فرقانیہ اکیڈیمی بنگلور ۔ ۵۷
۶ ملاحظہ ہو "مقالہ" خلافتِ ارض اور مسلم حکومتوں کے فرائض از جناب مولوی محمد شہاب الدین صاحب ندوی مشمولہ ماہنامہ برہان دہلی بابت اپریل ۱۹۸۲ء ص ۲۰۹ ج ۳ نیز سیرۃ النبی ۱: ۹۰ مطبوعہ ۱۹۸۳ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مورخانہ دلائل کے ذاتی ذوق پر اعتماد فرمایا ہے اور صرف اُن باتوں کو قبول کیا جن سے اُن کے مبینہ موقف کی تائید ہوتی تھی، موضوعیت سے انحراف کے بعد ایسے ہی نتائج برآمد ہوتے ہیں جو علمی روح اور متانت وسنجیدگی اور حقائق و واقعات سے خالی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف نے تمام تر غزوات وسرایا کو بقول علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ "دین کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کے تنگ میدان میں محصور کر دیا ہے"۔[۵۷]

مذکورۃ الصدر اقتباسات میں فاضل پروفیسر صاحب نے جہاد کے خصوصی طور پر دو مقصد قرار دیے ہیں یعنی سیاسی بالادستی اور اقتصادی توانائی حاصل کرنا۔ لیکن اِن مقاصد کو اسلامی تعلیمات سے کوئی مناسبت نہیں کیونکہ جب کبھی نبیٔ اکرم علی تحیۃ والسلام سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص غنیمت کے لیے دوسرا ناموری کے لیے اور کوئی اظہارِ شجاعت اور اپنے رتبہ کو بلند کرنے کے لیے جہاد وقتال کرتا ہے تو ان میں سے کس کا جہاد راہِ خداوندی میں خیال کیا جائے گا۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ صرف اس شخص کا جہاد اللہ کی راہ میں سمجھا جائے گا جس نے اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے جہاد کیا ہو[۵۸] چنانچہ آپؐ کی تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ مالِ غنیمت جو سب سے زیادہ محبوب ومرغوب شئے تھی صحابۂ کرامؓ کے دلوں سے بالکل اتر گئی اور اُن کے اذہان میں مقصدِ جہاد صرف اعلائے کلمۃ اللہ رہ گیا....... چنانچہ مجاہدین اولین کو جو چیز میدانِ جنگ میں بڑے ذوق وشوق کے ساتھ لے جاتی تھی وہ دوسروں کی دولت ومحنت کے

---

۵۷ سیرت النبیؐ ۵: ۲۹۹ مطبوعہ ۱۹۸۳ء
۵۸ ماہنامہ برہان دہلی ۱۹۸۲ء ص ۲۱-۲۲۳ مقالہ مذکور نیز سیرۃ النبیؐ ۱: ۶۱۵ مطبوعہ ۱۹۸۳ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذریعہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کا لالچ نہ تھی[۹]۔ رہا سیاسی عروج و استیلاء، تو یہ بھی دینِ حق کی سربلندی کے لیے ہے نہ کہ ذاتی اغراض وخواہشات نفسانی کی تکمیل کے لیے۔ جہاد کے سلسلہ میں لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم کی مصداق قارئینِ برہان کی سمع خراشی قدرے زیادہ ہی ہوگئی ہے جس کے لیے راقم الحروف معذرت خواہ ہے۔ موصوف کی تصنیف میں نہ صرف جہاد بلکہ دیگر واقعات کے پس پردہ بھی صرف معاشی و مادی محرکات کو ہی نمایاں مقام حاصل ہے جس سے ذہن پر یہ تاثر پیدا ہوئے بغیر نہیں رہتا کہ اُس عہد میں "بے قید جنسی میل ملاپ" کے سبب معاشرے میں نفسانی شہوات اور نان و نوش و تن و توش کا غلبہ زائد از ضرورت تھا جس میں لوگ صرف اسیرِ مرغ و ماہی ہو کر رہ گئے تھے اور اُن کی زندگی کی تمام تگا پو محض شکم پروری کی حد تک محصور تھی جس میں زندگی کے اعلیٰ روحانی مقاصد کا یکسر فقدان و بحران تھا۔

تاریخِ اسلام، خلافتِ راشدہ و بنی امیہ کے فاضل مصنف حضرت امام حسن رضؓ کی سراری کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ، "اُن کی چہیتی کنیزوں کے بارے میں بھی ہمیں کوئی اطلاع نہیں ملی۔ اُس زمانے میں سراری رکھنے کا عام رواج تھا اور خود اُن کے والد علی حیدر رضؓ کی سترہ سراری تھیں اس لیے غالب قرینہ ہے کہ امام حسن رضؓ کے بھی سراری رہی ہوں گی"۔ (ص ۲۵۸) ہمارے انتہائی ناقص و محدود مطالعہ میں اب تک یہی آیا تھا کہ تاریخ واقعات و حقائق کے تحقیقی مطالعہ کا نام ہے نہ کہ ظنون و قرائن پر منحصر تحریر کا۔ مگر مذکورہ تحقیق پڑھ کر معلوم ہوا کہ تاریخ میں

---

۹ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر از حضرت علی میاں صاحب ادام اللہ فیوضہم ص ۷۰۔ ۱۶۹ نیز ۲۲۔ ۱۲۱ و ۱۶۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"غالب قرینہ" کو بھی بڑا دخل ہے اور ظن وتخمین کی بیساکھی کا سہارا لے کر آسانی سے کسی بھی تاریخی کردار کی شکل وصورت آسانی سے مسخ کی جاسکتی ہے۔ غرض مدعا یہ کہ جب امام موصوف کی سراری کے ضمن میں عصری تواریخ سے کسی قسم کی معلومات بہم نہیں ہوتیں تو پھر ظنی طور پر یہ فرمانا کہاں تک درست ہے کہ اُن کے والد کے سترہ سرادی تھیں" اس لیے غالب قرینہ ہے کہ امام حسنؓ کے بھی سرادی رہی ہوں گی" شاید اسی کا نام مضمون آفرینی ہے۔

ہم توڑ کے تارے آسماں سے لائے مضمونِ بلند لامکاں سے لائے

بہرحال ایک مورّخ کے لیے آزادیٔ رائے کے باوجود حقائق مقدس ہونے چاہییں۔

تبرّا کی شروعات کے تحت فرماتے ہیں کہ "تبرّا کی ابتدا خود علی حیدرؓ نے کی تھی جس کا جواب امیر معاویہؓ نے بھی تبرّا سے دیا تھا......... (۵۵۰) اس سے پیشتر ص ۳-۲۶۲ پر بھی اس سلسلہ کی یہ عبارت موجود ہے، "عدتحکیم کے بعد علی حیدرؓ نے نماز وتر میں دعائے قنوت کے بعد امیر معاویہؓ، اُن کے مشیرانِ خاص پر لعنت بھیجنا شروع کردی تھی اور اس کے جواب میں امیر معاویہؓ نے بھی علی حیدرؓ اور اُن کے بعض ممتاز مقربوں پر مسجدوں میں لعنت بھیجنے کا حکم دیدیا تھا"

لیکن اس کے برعکس شاہ معین الدین احمد ندوی کی تحقیق یہ ہے کہ "اموی خلفاء نے ایک بُری عادت یہ جاری کی تھی کہ وہ خود اور اُن کے تمام عمال خطبہ میں حضرت علیؓ پر لعن طعن کیا کرتے تھے اور اِسے خطبہ کا جز بنادیا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اِسے بالکل بند کردیا اور تمام عمال کے نام فرمان جاری کردیا کہ حضرت علیؓ کے متعلق جو نا ملائم الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں وہ بند کردیں اور اس کی جگہ کلام اللہ کی یہ آیت داخلِ خطبہ کریں، اِنَّ اللّٰہَ یَامُرُ بِالعَدلِ وَالاِحسان الخ جو آج تک جاری ہے"[ا]

[ا] تاریخ اسلام حصہ دوم ص ۲۱۹، مطبوعہ ۱۹۶۳ء۔ تاریخ الخلفاء حصہ دوم ص ۱۱۷۔

(باقی صفحہ ۱۱ پر دیکھیے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاوہ ازیں علامہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) صاحب البدایہ والنہایہ نے اس واقعہ کی تردید کی ہے اور بالصراحت لکھا ہے اِنَّ ھذا لم یصح۔ بالفرض یہ دعا کسی حد تک تسلیم بھی کر لی جائے تو بغیر لعن کی تھی۔ کیونکہ یہ بات حضرت علیؓ کی علو شان سے بعید تر ہے کہ عورتوں کی طرح بیٹھے ہوئے حریف کو کوسا کریں[1]۔ ایک دفعہ جب آپؓ سے جمل اور حنین کے مقتولین کے بارے میں دریافت کیا گیا تو جواباً فرمایا کہ بجز طرفین کے مقتولین جنتی ہیں بشرطیکہ اُن کے دل صاف ہوں[2]۔ پھر حیات اور زندہ لوگوں کے بارے میں نا ملائم الفاظ کہنے کی ابتدا وہ کیوں کر کر سکتے تھے اور واقعہ ہے کہ نہ تو حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ پر لعن کیا اور نہ حضرت معاویہؓ نے امیر المومنین حضرت علیؓ پر[3]۔ ابو لولو کے قاتلانہ حملہ کے بعد خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ نے اپنا جانشین مقرر کرنے کے لیے ایک چھ رکنی پینل مقرر کر دیا تھا تاکہ یہ پینل بعد از مشاورت اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرے۔ چنانچہ بقول فاضل پروفیسر صاحب "پینل کے ارکان خلافت کے لیے اپنی اپنی فضیلت، جہادی خدمات اور اہلیت کا پُرزور اظہار کرنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی جھگڑا ہو رہا ہے۔" (ص ۱۴۵)

(حاشیہ بقیہ نمبر ۱۰) از علامہ سیوطیؒ ناشر ادارہ درسِ اسلام دیوبند۔

[1] تاریخ ابن خلدون ۱: ۵۷۸ حاشیہ ۱ مطبوعہ دیوبند۔

[2] مقدمہ ابن خلدون (اردو) جلد اول ص ۳۸۲ بحوالہ طبری۔

[3] بلکہ صحیح یہ ہے کہ حضرات شیخینؓ اور حضرت عثمانؓ پر سب و شتم اور طعن و تشنیع کی مذموم رسم کا آغاز عبداللہ ابن وہب ابن سبا المعروف بہ ابن السودا نے کیا تھا جو ایک یہودی الاصل غالی شیعی تھا۔ برائے حوالہ دیکھیے مذہب اور باطنی تعلیم از مرزا محمد سعید دہلوی ایم۔ اے۔ آئی۔ ای۔ ایس ص ۱۳۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب حضرت علیؓ کو اپنے منتخب ہونے کے آثار نظر نہ آئے تو وہ اپنے "گھر گئے اور اپنے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب اور دوسرے ہاشمی بزرگوں سے شکایت کی..... (اور کہا) عمرؓ نے وصیت کردی ہے کہ خلیفہ وہ فریق ہوگا جسے عبدالرحمٰن کی تائید حاصل ہو۔ بخدا اگر عمر جیتے رہے تو میں بتاؤں گا جیسی انھوں نے ہماری حق تلفی کی ہے اور اب اور پہلے جیسی جیسی ہمارے ساتھ بدسلوکیاں کرتے رہے ہیں اور اگر مر گئے جیسا کہ پورے آثار ہیں تو پینل کے باقی رکن یقیناً خلافت سے ہمیں محروم کردیں گے اور اگر انھوں نے ایسا کیا اور یقیناً وہ ایسا کریں گے تو میں بھی انھیں چین سے نہیں بیٹھنے دوں گا۔" (ص ۱۴۶)

بینہ مزاجی کیفیت کسی مغلوب الغضب اور بندۂ حرص و آز شخص کی تو ہو سکتی ہے مگر کاظم غیظ اور قاتح قموص اسد اللہ الغالب حضرت علی ابن ابی طالب جیسے پروردہ رسولؐ کی نہیں۔ محولہ بالا اقتباس سے بلا ابہام و تردد یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرت علی حیدرؓ اپنے اندر نہ صرف یہ کہ خلافت پانے کی آرزو رکھتے تھے، بلکہ اس کی حرص و طمع کا جذبہ بھی ان کے دل و دماغ پر محیط تھا، جو کہ ارشاد نبویؐ "بخدا ہم کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد نہیں کریں گے جس نے اس کی فرمائش کی یا جس کو اس کی خواہش ہے" کے یکسر منافی ہے اور یہ باور کرنے کا کوئی امکان نہیں کہ حضرت علیؓ تک آپؐ کا یہ ارشاد گرامی نہ پہونچا ہو۔ رسولِ اکرمؐ نے بشمول حضرت علیؓ تمام صحابۂ کرامؓ کی جس طرز پر برسہا برس اصلاح و تربیت فرمائی تھی اُس کے پیشِ نظر یہ قطعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ حضرات "حکومت کے عہدوں اور منصبوں پر پروانہ وار نہیں گرتے تھے بلکہ وہ اس کے قبول کرنے سے گریز کرتے تھے اور ان کی ذمہ داریوں سے لرزہ براندام ہو جایا کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک پیچھے ہٹتا تھا اور آگے کو اس بار کا سزاوار نہیں سمجھتا تھا چہ جائیکہ وہ اپنا نام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت کے لیے پیش کریں، اپنے منہ سے اپنی تعریف کریں اور اپنی ذات کے لیے پروپیگنڈہ کریں[۱۳] اور اس کے دعویدار بنیں۔ جس شخص کی ساری تاریخ پر نظر ہو گی اور اُس نے مختلف امتوں، قوموں اور ملتوں کے حالات پڑھے ہوں گے اور مختلف انسانی جماعتوں کا تجربہ کیا ہو گا اس کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ صحابۂ کرام سے زیادہ متحد، حق کا پیرو، فتنہ اور افتراق سے نفور اور نفسانیت و دنیاداری سے دور کوئی جماعت نہیں گزری ہے[۱۴] خلیفۂ ثانی اور حضرت علیؓ کے باہمی تعلقات بھی نہایت خوشگوار تھے اور وہ اہلِ بیت کا احترام بھی حد درجہ ملحوظ خاطر رکھا کرتے تھے یہاں تک کہ دیوانِ عطا کے رجسٹر میں ناموں کے اندراج کی ابتداء بھی حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے اسماء گرامی سے ہی کرائی گئی۔ ۱۸ھ میں اپنے سفرِ شام کے وقت حضرت عمرؓ نے خلافت کا چارج بھی حضرت علیؓ کے ہی سپرد کر دیا تھا نیز مہمات ملکی میں وہ حضرت علی حیدرؓ سے برابر مشورہ لیتے رہتے تھے۔ اور اِن دونوں حضرات کے اتحاد و یگانگت کا آخری مرتبہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ نے حضرت ام کلثومؓ کو جو فاطمہ زہراؓ کے بطن سے تھیں ان (حضرت عمرؓ) کے عقد میں دے دیا تھا[۱۵] پھر کیسے یقین کیا جائے کہ اُن کے آپسی تعلقات میں کشیدگی تھی۔

---

[۱۳] انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۱۵۳۔ از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی۔

[۱۴] تاریخ دعوت و عزیمت ۱/۲۱۲ - ۳۲۷۔ طبع چہارم از مولانا ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم۔

[۱۵] دینِ اسلام اور اولین مسلمانوں کی دو متضاد تصویریں ص ۴۲۔ پہلا ایڈیشن۔ از مولانائے محترم حضرت علی میاں صاحب ادام اللہ فیوضہم۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عثمان غنی رضؓ کی حویلی کا محاصرہ کرنے اور اُن کی شہادت کے واقعہ میں مصری جتھے کے ساتھ محمد بن ابی بکرؓ بھی شامل تھے چنانچہ فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ اس مصری جتھے کو جو سب سے بڑا تھا (دو جتھے اور بھی تھے) علی حیدرؓ کی اخلاقی تائید حاصل تھی ......" (ملاحظہ ہو موصوف کا مضمون "اعتراضات کے جواب مشمولہ ماہنامہ برہان دہلی صنا فروری ۱۹۸۴ء)۔

ہمیں یہ تسلیم کہ خلیفہ کے خونِ ناحق کے دھبّوں سے محمد بن ابی بکرؓ کا دامن پاک نہ تھا کیونکہ اولاً یہی محمد بن ابی بکرؓ عقب سے عمرو بن حزم انصاری کے مکان سے چھلانگ لگا کر کاشانۂ خلافت میں گھسے تھے۔ لیکن محمد بن ابی بکرؓ اور مصری جتھے کو نہ تو حضرت علیؓ کی اخلاقی تائید ہی حاصل تھی اور نہ کسی قسم کا اشتراک و تعاون ہی۔ اِس کے برعکس حضرات حسنینؓ اور آپؓ کا آزاد کردہ غلام تنبر عین دورانِ محاصرہ ایوانِ خلافت کے دروازہ پر بطور گارڈ متعین تھے، بہ این سبب محاصرین عقب سے کود کر داخل ہوئے۔ مغازی کے مشہور عالم عروۃ بن الزبیرؓ (پیدائش غالباً ۲۶ھ اور انتقال تقریباً ۹۴ھ) کے اس قول سے کہ " علی اِس سے بہت زیادہ متقی تھے کہ وہ قاتلین عثمان کی مدد کرتے اور عثمان بھی اِس سے کہیں زیادہ پرہیز گار تھے کہ علی ان کو قتل کرا دیتے"[۱۶] اس بات کی تردید ہوتی ہے کہ باغیوں کو حضرت علیؓ کی اخلاقی تائید حاصل تھی۔ خود حضرت علیؓ کو جب اس حادثۂ ناجعہ کا علم ہوا تو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولے! " خدایا! تو گواہ رہ کہ میں عثمان کے خون سے بری ہوں"[۱۷] اور یہ بھی فرمایا کہ

---

[۱۶] سیرۃ نبوی کی اولین کتابیں اور اُن کے مؤلفین، مترجم پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب ص ۲۶۔

[۱۷] عثمان ذوالنورینؓ از مولانا سعید احمد اکبرآبادی ص ۲۶۱ تاریخ الخلفاء از علامہ سیوطی حصہ دوم قسط ۲ ص ۲۷ نیز تاریخ ابن خلدون جلد اول قسط ۲ ص ۵۱۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے میری کمر ٹوٹ گئی۔

اموی معاشرہ کی ایک خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے بزیرِ عنوان "خلافت کے لیے عبادت وریاضت" ارقام فرماتے ہیں: جو لوگ خلافت وامارت کے امیدوار ہوتے وہ عبادت وریاضت اور سادہ پابندِ مذہب زندگی کا مظاہرہ کرکے عوام کا تعاون حاصل کیا کرتے تھے۔ اموی دور میں بہت سے لوگوں نے خلافت، امارت اور سیاسی واقتصادی سربلندی کے لیے مہیں چلائیں اور سب نے عبادت وریاضت نیز روکھی پھیکی زندگی کا مظاہرہ کرکے عوام کی اخلاقی وعملی مدد حاصل کرکے مسلح بغاوتیں کیں۔ ان میں ایک امیدوارِ خلافت عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔ وہ مسجدِ حرم میں پہروں لمبی لمبی نمازیں پڑھا کرتے تھے، مہینے میں اکثر دن روزے رکھتے تھے چاہے موسم سردی کا ہوتا چاہے گرمی کا........ دوسرے آرزومندِ خلافت عبداللہ بن عباسؓ کے لڑکے علی (م ۱۱۷ھ) تھے، وہ اپنی مسجد میں چوبیس گھنٹے کے دوران ہزار سجدے کرتے تھے اور بقول بعض ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے........ اموی حکومت کی بساط الٹ کر عباسی حکومت قائم کرنا ان کا نصب العین تھا..... تیسرے امیدوارِ خلافت امام حسینؓ کے پوتے اور علی زین العابدین کے لڑکے زید (م ۱۲۲ھ) تھے انھوں نے عبادت وریاضت اور روکھی پھیکی زندگی کا مظاہرہ کرکے مدینے کے باشندوں کو اپنی خلافت کی مہم بازی کے لیے تیار کرلیا تھا...... زید کو مدینے میں مسلح بغاوت کا موقع نہیں ملا تو وہ کوفے چلے گئے اور وہاں بہت سے لوگوں کو اپنی عبادت وریاضت اور سادہ زندگی سے متاثر کرکے حکومت کے خلاف بغاوت کردی اور ۱۲۲ھ میں بعمر بیالیس ۴۲ سال اموی فوجوں سے لڑتے ہوئے مارے گئے"۔ (ص ۶۰۰-۵۹۹)

اقتباس بالا میں عبادت وریاضت کی تعبیر وتشریح خالص مادی تناظر میں پیش کی گئی ہے جس سے بالصراحت یہ واضح ہوتا ہے کہ اس دور میں استحقاقِ خلافت کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظاہری پارسائی اور خشک زندگی کا مظاہرہ کرنا ضروری تھا اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جن حضرات نے نمائشی زہد و تقدس کا سہارا لیا ان میں اول الذکر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ (شہادت ۷۳ھ) نبیرۂ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حواری رسولؐ حضرت زبیرؓ بن العوام کے صاحبزادے اور حضرت عائشہؓ کے حقیقی بھانجے تھے، آپ ہجرت کے بعد مدینۃ الرسول میں مسلمانوں کے یہاں سب سے پہلے پیدا ہونے والے (۲ھ) شخص تھے جن کی ولادت سے مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی تھی آپؓ اکثر مورخین کے نزدیک خلیفۂ پنجم (۶۴ تا ۷۳ھ) کہلاتے ہیں[۱۸]۔ دوسرے تابعی اور تیسرے تبع تابعی تھے۔ جنھوں نے سیاست کو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے طرز پر از سر نو ڈھالنے کی عملی جد و جہد اور سرفروشانہ خدمات انجام دیں اور جن کی طرز ماند و بود اسلام کے صحیح علم و عمل کا نمونہ تھی اور جو دنیوی اشیاء سے استلذاذ کو بہ نظر استحقار و استخفاف دیکھتے تھے۔ بالفرضِ محال اِن حضرات نے "خلافت، امارت اور سیاسی و اقتصادی سربلندی" حاصل کرنے کے لیے ہی "عبادت و ریاضت نیز روکھی پھیکی زندگی کا مظاہرہ" کیا تو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو امارت تو ورثہ میں حاصل تھی ہی جیسا کہ خود موصوف نے اپنی تصنیف کے ص ۱۹۶ پر حضرت زبیر بن العوام کی غیر منقولہ جائیداد کے علاوہ منقولہ جائداد کے جو تین اعداد و شمار دیئے ہیں انھیں صحیح تسلیم نہ کیا جائے اور صرف اُن کے اوسط کو قابل قبول سمجھا جائے تو وہ بھی تین کروڑ بائیس لاکھ ہوتا ہے۔ اس میں سے گیارہ لاکھ قرض منہا

---

[۱۸] آپؓ کی خلافت و شہادت کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ ابن خلدون جلد دوم قسط ۴ ص ۱۳۷ تا ۱۸۴، تاریخ الخلفاء ص ۸۴ تا ۸۸ جلد دوم، تاریخ اسلام ۲: ۵۸ تا ۹۴ مصنفہ شاہ معین الدین احمد ندوی۔ نیز مقالات شبلیؒ ۵: ۳۰ مطبوعہ ۱۹۵۵ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دیا جائے تب بھی تین کروڑ گیارہ لاکھ میں سے جو کچھ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو ورثہ میں ملا ہوگا وہ آسودگی و فارغ البالی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیے انھیں کافی تھا۔ باوجودیکہ انھوں نے روکھی پھیکی زندگی بسر کی تو اس کا مقصد سوا رضائے الٰہی حاصل کرنے کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ افسوس کہ ان پاک نفوس کو بھی ہم نے اپنے ہی معیار سے جانچا اور پرکھا ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

محولہ فوق اقتباس میں حضرت زید بن علی زین العابدینؓ کا سنہ شہادت (۱۲۱ھ) بھی شاید سہواً غلط درج ہو گیا ہے۔ کیونکہ آپ کی شہادت کا واقعہ ۱۲۲ھ میں رونما ہوا۔ آپ کی نعش کو چار سال تک دروازۂ دمشق پر مصلوب رکھا گیا اور جب ولید ثانی بن یزید بن عبدالملک خلیفہ (۱۲۵ تا ۱۲۶ھ) ہوا تو اس نے حضرت زید کی لاش کو جلا دینے کا حکم دیا[۱۹] دوسری طرف عوام الناس کا عالم بھی کچھ بہتر نہ تھا جیسا کہ عنوان "پابندیٔ صوم و صلوٰۃ" ص ۵۵۹ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے۔ بہرحال فاضل مصنف نے اس دور کے اکابر و اصاغر کے زہد و تقشف اور عبادت و ریاضت کو جس تناظر میں پیش کیا ہے اس سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ؎

بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

جبکہ یہ حضرات دنیوی اشیاء سے استلذاذ حاصل کرنے کو بہ نظر استحقار و استخفاف دیکھتے تھے۔

دیگر متنازعہ فیہ اور محل نظر اقتباسات سے اندیشۂ تطویل کے سبب صرف نظر کرتے

۱۹ے دین اسلام اور اولین مسلمانوں کی دو متضاد تصویریں از حضرت علی میاں ص ۸۴ نیز تاریخ اسلام ج ۲: ۲۱۶۔ مصنفہ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے عرضِ خدمت ہے کہ موصوف نے اپنی تصنیف میں اس نقطۂ نگاہ کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے کہ تاریخ صرف بڑے لوگوں کے سوانحی حالات بیان کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں معاشرتی زندگی کے تمام پہلو محتوی ہونے چاہئیں۔ چنانچہ موصوف نے معاشرہ کے کسی پہلو کو روشن کرنے میں پہلو تہی سے کام نہیں لیا جس کے لیے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں تصنیف میں "عنوان" عثمان غنی رضؓ پر اعتراضات اور اُن کا جائزہ" خاصہ کی چیز ہے۔ اندازِ بیان اور ایجازِ بیان کے اعتبار سے بھی پوری تصنیف نہایت شستہ و شگفتہ ہے۔ شروع میں اصلاحِ سہو و خطا (Errata) دینے کے باوجود تقریباً سنو دیگر مطبعی اغلاط ہنوز محتاجِ اصلاح ہیں جنھیں آئندہ ایڈیشن میں درست کرنے کا پروفیسر صاحب نے وعدہ فرمایا ہے۔ ص ۱۸ پر "پانی سر سے اونچا ہونا" محاورہ تعقید لفظی کے ساتھ اس طرح مستعمل ہوا ہے، لیکن جب سر سے اونچا پانی ہوگیا تو انھوں (حضرت عثمان رضؓ) نے ابوذر رضؓ کو شام جلاوطن کر دیا" اس محاورہ کو مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی نے جو اردو اور عربی ادب زبان و ادب کے شہرۂ آفاق ادیب و فاضل بھی ہیں، اس طرح استعمال فرمایا ہے: قریش جب حد سے بڑھ گئے اور پانی سر سے اونچا ہوگیا تو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو اور آپ کے اصحاب کو ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی[۲۰]"۔ بہرکیف اردو ادب میں ہمارے لیے دہلی اور لکھنؤ دونوں دبستانِ خیال قابلِ تقلید و سند ہیں ص ۱۲-۱۱۱ پر اصطلاح "نسل کشی" کا استعمال بھی ندرت لیے ہوئے ہے فرماتے ہیں (حضرت عمر رضؓ) نے گھوڑے پالنے اور اُن کی نسل کشی کے لیے ایک دوسری چراگاہ ریزرو کرالی جس کا نام شرف تھا" اس معنی میں اب تک افزائشِ نسل تو دیکھنے سننے میں آیا تھا مگر "نسل کشی" کا استعمال پہلی دفعہ باصرہ نواز ہوا ہے جو غالباً فارسی مصدر "کشتن" بمعنی

نمبر ۲۰ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۱۱۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

'ڈبونا' سے مشتق معلوم پڑتا ہے۔ فارسی سے نابلد قاری کے لیے یہ اصطلاح خوبصورت ہوتے ہوئے بھی سریع الفہم نہیں۔ ممکن ہے وہ اسے خودکشی، ضمیرکشی، دخترکشی اور نفس کشی وغیرہ پر قیاس کر ڈالے۔ بہرحال یہ سبقت قلمی ہے۔ ص ۵۵ پر یہ فقرہ بھی قدرے گنجلک ہے" ام زردہ کے چار لڑکے پیدا ہوئے جن میں سب سے بڑے محمد بن اشعث کا فرزند نصف صدی بعد ہمعصر مذہبی اکابر کے تعاون سے عبدالملک بن مروان اور حجاج کے خلاف ہولناک بغاوت کر کے مشہور ہوا" اس فقرہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ محمد بن اشعث کا سب سے بڑا فرزند کون تھا لہذا " فرزند" کے بعد عبدالرحمٰن ثبت ہونا چاہیے تھا جو کہ ابن اشعث کا سب سے بڑا فرزند تھا۔ ص ۴۱۹ پر یہ فقرہ بھی مبہم ہے، " خلافت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد سلیمان نے اپنے بھائی ولید کے اکثر گورنروں اور سالاری کے عہدوں پر فائز کیا" ص ۱۹۷ پر بیرونی بستیوں قبا پہنچیں، کی بجائے " بیرونی بستی قبا پہنچیں"، ہونا چاہیے۔ ص ۴۵۶ پر لفظ " صلح " بجائے اسم مؤنث اسم مذکر استعمال ہوا ہے۔ یعنی " عبدالملک کے صلح سے منحرف تین بڑے حریف تھے"، حکیم مومن خاں مومن نے اسے صیغہ مؤنث میں استعمال کیا ہے۔

پھر کوئی ٹلنے کی طرح نہ ہوئی　　　صلح اب کے کسی طرح نہ ہوئی

ص ۹۵۵ پر گاؤں (دیہہ، موضع) کا املا گانو، اور ص ۶۰۵ پر گاؤں تحریر کیا ہے گو دونوں املا درست ہیں تاہم کوئی ایک املا اختیار کرنا بہتر تھا۔ خاص طور سے ایسی صورت میں جبکہ ص ۱۱۹ و ۱۳۲ پر علی الترتیب گاؤں (Gown) یعنی لمبا چغہ یا جبہ اور بیل (oxen) یا گائے (Kine) کا جمع بھی گاؤں ہی ثبت فرمایا ہے۔ ص ۶۱۴ پر " ہالے "کا املا ہائے حطی سے اختیار کیا ہے جبکہ اُردو فارسی شعراء نے ہائے ہوز سے تحریر فرمایا ہے مثلاً ع قمر سے دور نہ رہتا جو ہالہ کیا کرتا مصحفی نیز ہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر   زرد ئے صفحۂ حسنِ تو بر دارد   کہ امشب کشید از ہالہ جدول صفحۂ رو را (غنیؔ)

الحاصل "تاریخ اسلام۔ خلافتِ راشدہ و بنی امیہ" کی بعض تصریحات پر احقر نے جو کچھ خامہ فرسائی کی ہے وہ محض ایک طالب علمانہ کاوش ہے۔ نقد و تبصرہ جو ایک بلند پایہ علمی معیار کی چیز ہوتی، اہلِ نظر علماء و فضلاء کا کام ہے خاکسار کے پاس نہ تو اس قسم کی علمی استعداد و صلاحیت ہی ہے اور نہ مطلوبہ کتب کا ذخیرہ ہی چنانچہ جیسی اور جتنی معاون کتب و رسائل و جرائد تک رسائی حاصل ہو سکی اُن سے زلہ ربائی کر کے اس خردہ گیری کو ترتیب دینے کی کوشش کی ہے جس میں امکانی حد تک اپنی ضعیف و ناقص رائے زنی سے احتراز کیا ہے کیونکہ سطحی خواندگی کے بل پر جو رائے بھی دی جائے گی وہ یقیناً ناقص ہی ہو گی بقول سعدیؒ۔ ع دہم ضعیف رائے فضول چرا کنند۔

چنانچہ مجھے صدق دل سے اس امر کا اعتراف ہے کہ خورشید کجا ذرۂ آوارہ کجا۔ امید کہ پروفیسر خورشید احمد صاحب فارق اس آہو گیری میں جو کچھ درست ہو اس کی پذیرائی[لہ] کرتے ہوئے اس فرد مایہ بے علم کو اپنی آہِ سحر گاہی و دعائے نیم شبی میں گاہے ماہے یاد فرماتے رہیں گے۔ ع

و ز زبانِ تو تمنائے دعائے دارد

(ختم شد)

لہ موصوف کے تبصرہ کے سلسلہ میں خاکسار کو دو تین الطاف نامے نظر نواز ہوئے تھے جن میں مطبعی اغلاط کی درستی کا وعدہ فرماتے ہوئے ازراہِ لطف و کرم یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ تبصرہ کرنے کی اب ضرورت نہیں مصنف کی نظر میں اغلاط آگئی ہیں۔ اے۔ رؤف۔

© rasailojaraid.com